جملہ تعریفات استحسان کا عمومی تجزیہ

اوپر بیان کردہ تمام تعریفات سے استحسان کی ماہیت اور نوعیت کے بارے میں مندرجہ ذیل اہم اور بنیادی نتائج سامنے آتے ہیں :

ا - علمائے فقہ و اصول کے درمیان استحسان کی تعریف کے تعین میں ہزار اختلاف تعبیر کے باوجود اس کے جوہری مفہوم پر مکمل اتفاق پایا جاتا جس کے چند اساسی نکات حسب ذیل ہیں ۔

ا - اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ استحسان کسی مسئلہ میں ایک مقررہ حکم سے ہٹ کر (عدول) دوسرا حکم اختیار کرنے کو کہتے ہیں یا ایک متعین حکم پر دوسرے حکم کو ترجیح دینے (ایثار) کا نام ہے یا ایک حکم کو نظر انداز (طرح) کرنے یا اس کے حکم سے جزوی طور پر استثنا ء کو یا عام حکم میں تخصیص کرنے کو استحسان کہا جاتا ہے ۔

ب - یہ امر بھی متفق علیہ ہے کہ استحسان کسی خاص واقعہ یا مسئلہ میں ہوگا جب کہ عام قیاسی یا کلی حکم کو لاگو کرنا غلو و مبالغہ کا شکار ہو کر فوت مصالح یا جلب مفاسد پر منتج ہوتا ہو اور یہ حکم استثنائی صرف اس خاص واقعہ یا مسئلہ تک محدود رہے گا ۔

ج - اس بات پر بھی ان کا اتفاق ہے کہ اس انحراف، عدول، ترجیح، استثنا ء یا تخصیص کے لیے کسی دلیل شرعی کی ضرورت ہے جس کو وجہ استحسان یا سند استحسان کہا جاتا ہے - یہ دلیل نص بھی ہو سکتی ہے، دلیل عقلی بھی ممکن ہے، عرف اور مصلحت بھی سند بن سکتے ہیں اور ضرورت و حاجت کی بنا ء پر بھی استثنا ء و عدول ممکن ہے ۔

د - یہ امر بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ انحراف و عدول کبھی ایسے حکم سے ہوتا ہے جو نص کے عمومی اور متبادر مفہوم سے ظاہر ہوتا ہے اور کبھی ایسے حکم سے جس کو قیاس ظاہر بتلاتا ہے اور بعض اوقات ایسے حکم کو چھوڑا جاتا ہے جو کسی شرعی کلیہ پر مبنی ہوتا ہے ۔

ھ - استحسان کے عام فقہی اور اصولی تصور پر بھی سب فقہا ء اور اصولیین کا مکمل

اتفاق ہے۔ کیونکہ حزم و احتیاط، زہد و ورع اور تحقیق مصالح دینیہ و عمرانیہ پر مبنی احکام حظر و اباحت سب کے نزدیک شرعاً واجب التعمیل ہیں اور اسی طرح احکام کی تحقیق مناط اور ہماری رائے پر موقوف تقدیرات کے تعین میں اصول استحسان کا اعتبار و اطلاق بھی سب کے نزدیک مسلم ہے۔

۲۔ مختلف مکاتب فقہ کے علمائے فقہ و اصول کے درمیان استحسان کی ماہیت اور نوعیت کے بارے میں چند امور پر جزوی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں جو گہری نظر سے جائزہ لینے پر زیادہ تر فروعی، ضمنی اور تعبیراتی نوعیت کے حامل نظر آتے ہیں ان میں سے چند اہم اختلافی امور حسب ذیل ہیں۔

ا۔ استحسان کی نوعیت کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ آیا استحسان قیاسی کی حقیقت تخصیص علت ہے یا انعدام علت، اور اسی طرح باقی انواع استحسان کی نوعیت استحسان و ترخیص ہے یا تعارض و ترجیح، لیکن یہ اختلاف درحقیقت موضوع سے زیادہ تعبیر کا اختلاف ہے کیونکہ ہر دو موقف رکھنے والے فقہاء کے درمیان نتیجہ کے لحاظ سے استحسان کی نوعیت و حیثیت اور حکم یکساں نظر آتا ہے جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا۔

ب۔ استحسان کی مصدری حیثیت کے بارے میں بھی جزوی تعبیری اختلاف موجود ہے، بعض اسے استنباط احکام کا ایک الگ اور مستقل مصدر یا دلیل سمجھتے ہیں جب کہ بعض ان دلائل کے تابع اور ان میں داخل قرار دیتے ہیں جو اسکی سند یا وجہ ترجیح بنتے ہیں اور ایک مستقل نام سے الگ مصدر شریعت یا جداگانہ وسیلۂ اجتہاد نہیں مانتے لیکن نتیجہ کے لحاظ سے یہ اختلاف بھی کوئی جوہری فرق و تاثیر نہیں رکھتا کیونکہ استحسان خواہ دلیل مستقل کے طور پر برتا جائے یا سند استحسان کے تابع رکھا جائے بہرصورت استنباط و ترجیح احکام میں اس کا کردار یکساں رہے گا۔

ج۔ سند استحسان یا وجہ استحسان کے بارے میں بھی بعض جزوی اختلافات پائے

جاتے ہیں، کہ بعض نص و اجماع کے بعد ضرورت و رفع حرج کو سند استحسان کے طور پر ذکر کرتے ہیں اور بعض اس کی جگہ مصلحت اور عرف کو رکھتے ہیں لیکن دقت نظر سے جائزہ لینے پر یہ اختلاف بھی لفظی ہی نکلتا ہے کیونکہ ضرورت میں مصلحت اور عرف دونوں داخل ہیں کیونکہ ضرورت سے مراد مصالح ضروریہ ہیں اور مصالح حاجیہ اگر عام ہوں تو مصالح ضروریہ کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں اور عرف و عادت بھی مصالح حاجیہ میں شامل ہے کہ عرف و عادت کا اعتبار ہی رفع حرج و دفع مشقت پر مبنی ہے جو کہ مصالح حاجیہ سے عبارت ہے اسی طرح جو صرف مصلحت کا ذکر کرتے ہیں ان کے نزدیک بھی ضرورت و حاجت اور عرف اس میں شامل ہوتے ہیں۔

اب ہم استحسان کے مفہوم و ماہیت اور نوعیت و وسعت کے بارے میں ان اتفاقی اور اختلافی نکات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی ایک سادہ اور جامع و مانع تعریف پیش کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ اس متعین مفہوم اور تعریف کی روشنی میں ہی استحسان کے تمام پہلوؤں پر گفتگو کی جاسکے۔

استحسان کی جامع و مانع تعریف

اوپر تمام مکاتب فقہ کے علماء کی پیش کردہ جتنی بھی تعریفات بیان کی گئیں اور ان کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ان میں سے صرف پانچ تعریفات ایسی نظر آتی ہیں جو استحسان کے مفہوم و ماہیت سے قریب تر اور جامعیت و انضباط کے لحاظ سے دوسری تعریفات کے مقابلے میں کسی قدر بہتر ہونے کے علاوہ ایک دوسرے کے ساتھ کافی حد تک مطابقت اور ہم آہنگی بھی رکھتی ہیں لہٰذا ہم ان پانچ تعبیرات کی روشنی میں ہی ایک کسی قدر زیادہ واضح، متعین اور جامع و مانع تعریف اخذ کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ پانچ تعریفات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ علامہ کرخی کی تعریف:

الاستحسان هو العدول بحكم المسألة عن نظائرها الى خلافه لوجه هو اقوى منه۔

۲۔ علامہ سرخسی کی تعریف:

الاستحسان نوعان، احدهما، العمل بالاجتهاد وغالب الرائ فی تقدیر ما جعله الشرع موکولا الی آرائنا، والثانی هو الدلیل الذی یکون معارض للقیاس الظاهر الذی تسبق الیه الاوهام قبل انعام التأمل فیه، وبعد انعام التأمل فی حکم الحادثة واشباهها من الاصول یظهر ان الدلیل الذی عارضه فوقه فی القوة فالعمل به هو الواجب۔

۳۔ علامہ ابن عربی کی تعریف:

هو ایثار ترك مقتضی الدلیل علی طریق الاستثناء والترخص لمعارضة ما یعارض به فی بعض مقتضیاته۔

۴۔ علامہ ابن رشد کی تعریف:

هو ان یکون طرد القیاس یودی الی غلو فی الحکم ومبالغة فیه، فیعدل عنه فی بعض المواضع لمعنی یوثر فی الحکم یختص به ذلك الموضع۔

۵۔ ابو الحسین البصری کی تعریف:

الاستحسان هو ترك وجه من وجوه الاجتهاد غیر شامل بشمول الالفاظ لوجه هو اقوی منه، وهو فی حکم الطاری علی الاول۔

استحسان کی ان پانچ تعریفات میں سے ہر تعریف کوئی نہ کوئی ایسا پہلو اور رخ بی رکھتی ہے جو دوسری تعریفات میں مفقود ہے۔ اور اگر ان پانچوں تعریفات میں سے حشو و زوائد نکال کر سب کی خوبیاں جمع کر لی جائیں تو یقیناً ایک زیادہ واضح، منضبط اور جامع و مانع تعریف سامنے آئے گی۔

پھر چونکہ ان تعریفات میں ابوالحسین البصری کی پیش کردہ تعریف متعدد اعتبارات سے باقی تعریفات کے مقابلے میں زیادہ جامع اور زیادہ منضبط ہے لہٰذا ہم اسے بنیاد بنا کر باقی تعریفات کے بہتر پہلو جمع کرتے ہوئے استحسان کی ایک سادہ، آسان اور جامع و مانع تعریف یوں کر سکتے ہیں کہ

الاستحسان عبارة عن تقدير ما جعله الشرع موكولا الى الاجتهاد العملي كما انه عبارة عن ايثار ترك وجه من وجوه الاجتهاد النظري غير شامل شمول الالفاظ، على طريق الاستثناء والترخيص او الاحتياط او الترجيح، لوجه طارئ يعارضه في بعض مقتضياته وهو اقوى منه۔

یعنی استحسان نام ہے ان امور کی تقدیر و تعیین کا جو شریعت نے اجتہاد عملی کے سپرد کر دیئے ہیں اور اسی طرح وہ عبارت ہے اجتہاد نظری کے وجوہ میں سے کسی وجہ کو ایک ایسے قوی تر سبب کے ذریعہ استثناء، ترخیص یا احتیاط و ترجیح کے طور پر ترک کر دینے سے جو اس پر طاری ہو کر اس کے بعض مقتضیات سے معارض ہوا ہو۔

استحسان کی یہ تعریف مندرجہ ذیل نمایاں اوصاف اور خصوصیات کی حامل ہے۔

۱- یہ تعریف استحسان کے عام اصولی تصور، جو تحقیق مناط سے عبارت ہے، کو بھی شامل اور محیط ہے کہ اس کا پہلا حصہ:

عبارة عن تقدير ما جعله الشرع موكولا الى الاجتهاد العملي۔

مفہوم استحسان کے اسی بنیادی، عمومی اصولی پہلو سے متعلق ہے جو استحسان کے نظری پہلو کے مقابلے میں زمانی، مکانی اور عملی لحاظ سے زیادہ جامع، وسیع اور سب

کے نزدیک بالاتفاق حجت اور واجب العمل ہے۔

۲۔ اس تعریف میں، ترك وجه من وجوه الاجتهاد النظري کے الفاظ حکم متروک کی تمام انواع پر حاوی ہیں خواہ یہ حکم نص کے عمومی اور متبادر مفہوم سے ظاہر ہو، یا قیاس جلی اور قاعدہ کلیہ پر مبنی ہو۔ ہر طور " وجه من وجوه الاجتهاد النظري " کے تحت داخل ہے کیونکہ نص کے مفہوم کا تعین قیاس جلی اور قاعدہ کلیہ بھی اجتہاد نظری کے مختلف وجوہ ہیں

۳۔ تعریف میں غیر شامل شمول الالفاظ، کی تعبیر درحقیقت حکم عام سے حکم خاص کی طرف عدول کی صورت کو استحسان کے مفہوم سے خارج کرنے کے لیے اختیار کی گئی ہے کیونکہ حکم عام کے الفاظ حکم خاص کو شامل ہوا کرتے ہیں، اور اگر یہ تعبیر اختیار نہ کی جائے تو حکم عام سے حکم خاص کی طرف عدول کی صورت بھی استحسان میں داخل ہو جاتی ہے حالانکہ استحسان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

۴۔ اس تعریف میں علی طریق الاستثناء والترخیص او الاحتیاط والترجیح" کے الفاظ شامل کرنے سے دو فائدے مقصود ہیں ایک تو استحسان کی نوعیت کا تعین درکار ہے جو استثناء، ترخیص اور ترجیح تینوں پہلو رکھتی ہے لہٰذا یہاں نوعیت استحسان کے تینوں پہلوؤں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ لفظ احتیاط اگر ایک طرف ماہیت استحسان جو اعتبار مآل سے عبارت ہے، پر دلالت کرتا ہے تو دوسری جانب استحسان کا عام فقہی تصور بھی اجاگر کرتا ہے جو زہد و ورع اور حزم و احتیاط سے متعلق احکام حظر و اباحت پر مشتمل ہے اور یہ اس تعریف کی وسعت و عمومیت اور جامعیت کا نمایاں ترین پہلو ہے۔

۵۔ تعریف میں لوجه طارئ يعارضه في بعض مقتضياته کی تعبیر سے بھی دو فوائد کا تحقق مقصود ہے۔ ایک تو لفظ طارئ کے ذریعہ عدول و ترجیح کی ایک خاص صورت کو استحسان سے خارج کرنا مطلوب ہے اور وہ صورت ہے حکم استحسانی سے حکم قیاسی کی طرف عدول جو حکم قیاسی کی قوت اثر کی بنا پر ہوتا ہے لیکن استحسان سے یکسر مختلف ہے۔

اور يعارضه في بعض مقتضياته کے الفاظ سے اس عدول و ترجیح استحسانی کو صرف اس خاص واقعہ یا مسئلہ تک محدود رکھنا پیش نظر ہے جس خاص واقعہ یا مسئلہ میں دلیل اصلی اور دلیل طارئ کے مابین تعارض رونما ہوا ہے۔

مذکورہ بالا امور کی روشنی میں اس تعریف کو ہر اعتبار سے واضح، متعین، منضبط اور جامع و مانع قرار دینا بالکل درست اور بجا ہے۔

استحسان کی حجیت و قطعیت

تمہیدی مباحث میں ہم اسلامی قانون کی خصوصی نوعیت کے حوالے سے استحسان کی مشروعیت اور حجیت کی تمام شرعی اور عرفی بنیادوں پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔

یہاں خالص فنی نقطۂ نظر سے استحسان کی بطور مصدر قانون حجیت و قطعیت پر استدلال درکار ہے اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے مصادر شریعت اور اصول اجتہاد کی قطعیت پر عمومی بحث کرتے ہوئے استحسان کی قطعیت پر دلیل قائم کی جائے گی اور پھر خصوصی طور پر استحسان کی حجیت پر عقلی و نقلی و براہین پیش کرتے ہوئے شبہات و اعتراضات کے دفعیہ پر اصولی گفتگو کی جائے گی۔

اولاً: مصادر شریعت کی عمومی قطعیت

امام شاطبی نے اس حقیقت کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے کہ اصول فقہ[1] جو کہ اصول اجتہاد اور قواعد استنباط سے عبارت ہیں سب کے سب قطعی، یقینی اور حتمی ہیں کیونکہ یہ اصول از روئے استقراء قطعی شریعت کے کلیات کی جانب راجح ہیں اور جو چیز کلیات شریعت سے متعلق ہو وہ لازماً قطعی ہوگی[2] اصول استنباط کی اس قطعیت پر امام شاطبی نے حسب ذیل محکم دلائل قائم کیے ہیں۔

---

[1] علامہ شاطبی نے اصول الفقہ کی اصطلاح استعمال کی ہے لیکن ایک جلیل القدر عالم استاذ خضر حسین نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے قرار دیا: اصول العلم قوانینه التی یتالف منها کلکون الاجماع والقیاس حجة والمطلق یحمل علی المقید والعام یقبل التخصیص ودلالة علی جمیع افراده قطعیة اوظنیة ونحوها من قواعد الاستنباط (خضر حسین: تعلیق الموافقات: ج ۱: ص ۱۷)

اور استاذ موصوف کی یہ تعلیق و توضیح ان کی اپنی جانب سے نہیں بلکہ خود علامہ شاطبی کی آگے چل کر پیش کردہ تصریحات سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر متن میں آگے اس کی وضاحت کریں گے۔

[2] الشاطبی: الموافقات ج ۱، ص ۲۹

۱ - اصول استنباط یا تو دلائل عقلیہ پر مبنی ہوں گے یا ادلۂ شرعیہ کے کلی استقرار کی بناء پر ثابت ہوں گے اور دلائل عقلیہ ہوں کہ استقراء شریعت دونوں ہی یقین وجزم کا فائدہ دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

اصول الفقه قطعية لانها ترجع، اما الى اصول عقلية وهى قطعية واما الى الاستقراء الكلى من ادلة الشريعة، وذلك قطعى ايضا ولا ثالث لهذين الا المجموع منهما والمؤلف من القطعيات قطعى [1]

یعنی اصول فقہ سب کے سب قطعی ہیں کیونکہ یا تو وہ اصول عقلیہ کی جانب راجع ہوں گے جو کہ قطعی ہیں، یا ادلۂ شرعیہ کے کلی استقراء پر مبنی ہوں گے اور وہ بھی قطعی ہے۔ اور ان دونوں کے علاوہ دلائل اثبات کی اور کوئی نوع نہیں بجز ان ہر دو نوع کے اجتماع کے اور اگر اصول فقہ ان دونوں انواع دلائل (عقلیہ وشرعیہ) سے ثابت ہوں تب بھی وہ قطعی ہی ٹھہریں گے کیونکہ امور قطعیہ سے ترکیب پانے والی چیز بھی قطعی ہی ہوتی ہے۔

۲ - شاطبی اپنی اس دلیل کو تقویت دینے کے لیے اس کی نقیض سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

انها لو كانت ظنية لم تكن راجعة الى امر عقلى اذ الظن لا يقبل فى العقليات، ولا الى كلى شرعى لان الظن انما يتعلق بالجزئيات اذ لو جاز تعلق الشك بكليات الشريعة لجاز تعلقه باصل الشريعة ..... وذلك غير جائز عادة .... وايضا لو جاز تعلق الظن باصل الشريعة لجاز تعلق الشك بها وهى لا شك فيها ولجاز تغييرها وتبديلها وذلك خلاف ما ضمن الله عز وجل من حفظها [2]

---

[1] الشاطبی: الموافقات: ج ۱: ص ۲۹، ۳۰۔

[2] ایضاً: ص ۳۰

یعنی اگر اصول اجتہاد یا بالفاظ دیگر مصادر شریعت ظنی ہوتے تو وہ ہرگز امور عقلیہ کی جانب راجع نہ ہوتے کیونکہ عقلیات میں ظن ہرگز قبول نہیں اور نہ ہی کلیات شریعت سے متعلق ہوتے کیونکہ کلیات میں ظن کا دخل نہیں بلکہ جزئیات میں ہے۔ کیونکہ اگر کلیات شریعت میں ظن کا دخل جائز ہو تو پھر اصل شریعت ہی ظنی اور مشکوک بن کر ہر لحظہ قابل تغیر و تبدل ٹھہرے جو کہ واقع عملی اور خدا کی جانب سے حفاظت شریعت کی ضمانت کے خلاف ہے۔

۳ - قطعیت اصول اجتہاد پر علامہ شاطبی نے تیسری دلیل یہ دی ہے کہ اگر اصول فقہ کو ظنی ٹھہرانا جائز ہو تو پھر اصول دین (یعنی ایمانیات) میں بھی ظن کو معتبر قرار دینا پڑے گا کیونکہ اصول اجتہاد کو اصول شریعت سے وہی نسبت حاصل ہے جو اصول الدین کو حاصل ہے اور یہ سب کے سب حفاظت دین کے لازمی تقاضوں کی صورت میں انسانیت کے مصالح ضروریہ میں سے ہونے کے باعث تمام اقوام و ملل میں ہمیشہ واجب التحفظ ہیں۔ ان کی عبارت یہ ہے:

لو جاز جعل الظن اصلا فی اصول الفقه لجاز جعله اصلا فی اصول الدین ولیس کذلك باتفاق، فکذلك هنا لان نسبة اصول الفقه من اصل الشریعة کنسبة اصول الدین وان تفاوتت فی المرتبة فقد استویت فی انها کلیات معتبرة فی کل ملة، وهی داخلة فی حفظ الدین من الضروریات۔ [1]

۴ - ارشاد باری تعالیٰ: انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون میں جس حفاظت و عصمت کی ضمانت دی گئی ہے وہ درحقیقت کلیات اور اصول شریعت کی حفاظت ہے ورنہ اگر تمام جزئیات شریعت کی حفاظت مراد ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ کوئی ایک جزئی مسئلہ بھی مجتہدین کی دسترس سے باہر نہ رہنے پائے جو کہ خلاف واقع ہے۔ لہٰذا

---

[1] الشاطبی: الموافقات: ج ۱: ص ۳۱

یہاں حفاظت مضمونہ سے مراد اصول وکلیات کی حفاظت ہے جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ہر اصل اور ہر کلی قطعی، یقینی اور حتمی ہو۔

علامہ شاطبی رقمطراز ہیں:

أن الحفظ المضمون فی قولہ تعالیٰ! انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون انما المراد بہ حفظ اصول الکلیۃ المنصوصۃ ...... لا ان المراد المسائل الجزئیۃ، اذ لو کان کذلک لم یتخلف عن الحفظ جزئی من جزئیات الشریعۃ ..... فدل علی ان المراد بالذکر المحفوظ ما کان منہ کلیا واذ ذاک یلزم ان یکون کل اصل قطعیا"[1]

مصادر شریعت اور اصول اجتہاد کی اس قطعیت کی بنیاد یہ ہے کہ تمام اصول شریعت کے بیشمار ظنی دلائل (نصوص، قواعد، مقاصد) کے کلی استقراء سے مأخوذ و مستفاد ہیں اور استقراء کلی حصول قطع و یقین کا سب سے بڑا ذریعہ ہے کیونکہ کسی ایک معنی و مفہوم پر متعدد دلائل کے اجتماع سے ایک ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے جو تواتر معنوی کے مشابہ (شاطبی کے الفاظ میں، شبیہ بتواتر معنوی) ہو کر یقین و جزم کے حصول کا ذریعہ بن جاتی ہے[2]۔ اب ان تمام اصول اجتہاد کے دلیل استقرا

---

[1] الشاطبی: الموافقات، ج ۱، ص ۳۱
[2] استقراء کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ: ھو عبارۃ عن الاستدلال الذی ینتقل فیہ العقل من قضایا جزئیۃ الی قضیۃ کلیۃ۔ یعنی استقراء استدلال کی وہ نوع ہے جس میں عقل بہت سے جزئی قضایا سے ایک کلی قضیہ کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ ذہن متعدد قضایا کا مطالعہ کر کے ان سے ایک مشترک کلی حکم اخذ کرتا ہے جو ان تمام جزئیات پر یکساں صادق آتا ہے۔ علامہ جرجانی شرح تجرید کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

لا بد فی الاستقراء من حصر الکلی فی جزئیاتہ ثم اجراء حکم واحد علی تلک الجزئیات لیتعدی ذالک الحکم الی ذالک الکلی۔

یعنی استقراء میں ضروری ہے کہ امر کلی کو اس کی تمام پیش نظر جزئیات میں منحصر قرار دیا جائے اور پھر (بقیہ حاشیہ صفحہ اگلے پر)

سے ماخوذ ہونے پر علامہ شاطبی نے یہ واضح تصریح کر دی ہے کہ:

واذا تاملت ادلة كون الاجماع حجة، اوخبر الواحد، اوالقياس حجة، فهو راجع الى هذا المساق لان ادلتها ماخوذة من مواضع تكاد تفوق الحصر۔ [1]

یعنی اگر ہم اجماع، خبر واحد اور قیاس وغیرہ کی حجیت پر غور کریں تو وہ اسی نوع استدلال (یعنی استقراء کلی مشابہ بہ تواتر معنوی) پر مبنی ہے کیونکہ ان مصادر اجتہاد کی حجیت بے شمار ادلہ شرعیہ سے مستفاد ہے۔ آگے چل کر وہ دیگر اصول اجتہاد کی قطعیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ويدخل تحت هذا ضرب الاستدلال المرسل ..... فانه وان لم

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) ان تمام جزئیات پر ایک مشترک حکم لگایا جائے جو بالآخر اس امر کلی تک متعدی ہو سکے۔

اہل منطق کے نزدیک استقراء صرف اس صورت میں یقین کا فائدہ دیتا ہے جب کہ وہ تام اور کلی ہو، بایں طور کہ امر کلی کی تمام ممکن الوجود جزئیات کا تحقیقی استقراء کر لیا جائے اور کوئی ایک جزئی بھی دائرہ استقراء سے باہر نہ بچ جائے۔ ورنہ حصول استقراء محض ادعائی اور غیر تام ہونے کے باعث یقین کا فائدہ نہ دے گا۔ (دائرہ معارف، للبستانی: ج ۳: ص ۴۱۶)

لیکن فقہاء اور اصولیین کے نزدیک چونکہ استدلال اپنی حقیقت میں لزوم عقلی اور لزوم عادی دونوں کو شامل ہے اور لزوم عقلی کی طرح لزوم عادی بھی موجب یقین ہے جیسا کہ خبر متواتر کی صورت میں صرف لزوم عادی ہی مفید قطع ہے۔ اس لیے ان کے نزدیک استقراء کی حدود میں افادہ یقین کیلئے اتنا کافی ہے کہ: لزوم عادت استقراء سے بچ رہنے والی جزئیات کو بھی حکم میں ان جزئیات کے مشابہ قرار دیدے جن کا استقراء ہو چکا (تقریر شریفیہ برحاشیہ بنانی: ج ۲: ص ۳۴۵: ص ۳۴۶) یہی وجہ ہے کہ فقہ اسلامی میں اصول اور فروع دونوں کے استنباط میں شروع ہی سے دلیل استقراء کو پوری طرح استعمال کیا جاتا رہا البتہ اصول میں اسکا استعمال زیادہ اور غالب رہا کیونکہ اصول و کلیات میں حصول قطع و یقین کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے جبکہ فروع میں صرف ظن غالب بھی کافی ہو جاتا ہے چنانچہ تمام مصادر شریعت کی حجیت استقراء ہی سے ثابت ہو کر یقین کے درجہ اختیار کر چکی ہے جیسا کہ علامہ قرافی کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ: والعمدة الكبرى ان كل نص من هذه النصوص مضموم للاستقراء التام من نصوص القرآن والسنة واحوال الصحابة وذالك يفيد القطع عند المطلع عليه شرح تنقيح الفصول: ص ۱۴۱) یعنی اجماع اور دیگر مصادر کی حجیت کے سلسلہ میں سب سے بڑی دلیل قرآن و سنت اور احوال صحابہ کا استقراء ہے جو کہ جاننے والوں کو قطع کا فائدہ دیتی ہے۔ [1] الشاطبی: الموافقات: ج ۱: ص ۳۷

یشهد للفرع اصل معین فقد شهد له اصل کلی، والاصل الکلی اذا کان قطعیا فهو یساوی الاصل المعین .... وکذلک الاستحسان علی رای مالک ینبنی علی هذا الاصل لان معناه یرجع الی تقدیم الاستدلال المرسل علی القیاس ۔[1]

یعنی استدلال مرسل اور استحسان وغیرہ کے اصول بھی اسی نوع استدلال کے تحت آتے ہیں کیونکہ استدلال مرسل میں فرع درحقیقت اصول کلیہ سے ماخوذ ہوتی ہے اور استحسان، قیاس ظاہر کے مقابلے میں استدلال مرسل کی تقدیم و ترجیح کا نام ہے جس کا ثبوت بے شمار دلائل سے ملتا ہے۔

امام شاطبی کے اس قول کی مزید وضاحت کرتے ہوئے استاذ خضر حسین کہتے ہیں:

ان من قرر اصلاً کالاستصحاب او مفهوم المخالفة او سد الذرائع، او المصالح المرسلة او الاستحسان فهو انما انتزعه من موارد متعددة من الشریعة حتی قطع بانه من الاصول المقصودة فی بناء الاحکام ۔[2]

یعنی جن مجتہدین نے استصحاب، مفہوم مخالف، سد ذرائع، مصالح مرسلہ اور استحسان وغیرہ بطور مصادر قانون اپنائے ہیں انہوں نے شریعت کے بہت سے نصوص و دلائل کے استقراء سے استنباط احکام میں ان اصولوں کی حجیت کا یقین حاصل کر لیا ہے۔

یہاں اس امر کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شاطبی اس بنیادی حقیقت کی تقریر و تصریح میں منفرد نہیں ہیں بلکہ تمام متقدمین اور متاخرین علماء فقہ و اصول نے اس حقیقت کا اعتراف و اظہار کیا ہے۔ چنانچہ امام غزالی ان اصول فقہ کو قطعی قرار دیتے ہوئے اجتہاد کے دائرہ سے بالاتر رکھتے ہیں[3]

---

[1] الشاطبی: الموافقات: ج ۱ ص ۴۰

[2] خضر حسین: تعلیق موافقات ج ۱ ص ۱۰۰

[3] الغزالی: المستصفیٰ: ج ۲ ص ۱۰۶

اسی طرح امام قرافی، علامہ ابن حاجب اور بیضاوی وغیرہ بھی ان اصول اجتہاد کی قطعیت کے قائل ہیں[1]

محب اللہ بہاری لکھتے ہیں۔

والشرعیات القطعیات کذلک فمنکر الضروریات منہا کالارکان وحجیۃ القران کافر اثم ومنکر النظریات منہا کحجیۃ الاجماع وخبر الواحد اثم فقط۔[2]

یعنی قطعیات شریعت میں امور ضروریہ کا منکر کافر اور امور نظریہ جیسے حجیت اجماع وخبر واحد وغیرہ کا منکر گناہ گار ہے:

متاخرین میں سے علامہ خضری کی تصریح ملاحظہ ہو۔

اما الاصولیۃ ککون الاجماع والقیاس وخبر الواحد حجۃ فہذہ مسائل ادلتہا قطعیۃ[3]

یعنی مسائل اصولیہ جیسے اجماع، قیاس اور خبر واحد وغیرہ کی حجیت کے دلائل قطعی اور یقینی ہیں۔

ثانیاً: اصول استحسان کی قطعیت

اوپر کی تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دیگر تمام مصادر شریعت کی طرح استحسان بھی شریعت اسلامیہ کا ایک قطعی، اٹل اور یقینی اجتہادی مصدر ہے جس کی حجیت محض کسی ایک عقلی یا نقلی دلیل سے نہیں بلکہ شریعت کے بے شمار نصوص و موارد کے کلی استقراء سے ثابت ہوتی ہے جن میں سے چند ایک کلی اور عمومی دلائل آگے بیان ہوں گے، یہاں ہم استحسان کی قطعیت و حتمیت

---

[1] قرافی: شرح تنقیح الفصول: ص ۱۴۱؛ عضد الدین: شرح مختصر ابن الحاجب: ج ۲: ص ۳۲
[2] البہاری: مسلم الثبوت: ص ۲۸۰۔ [3] الخضری: اصول الفقہ

پر اتفاق فقہاء کے حوالے سے وہ بنیادی اور واقعی و عملی شہادت پیش کر رہے ہیں جو بتصریح امام شعرانیؒ "سید الادلہ" یعنی تمام دلائل کی سردار اور سب سے زیادہ سچی دلیل ہے۔

۱۔ استحسان تمام مذاہب فقہ میں !

عام طور پر یہ گمان کیا جاتا ہے کہ اصول استحسان صرف مذہب حنفی اور مذہب مالکی کے ساتھ مختص ہے[1] بلکہ شوکانی نے تو علامہ قرطبی کے حوالے سے مذہب مالکی میں بھی اسے غیر معروف قرار دیا ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب کی جانب بھی اس کا انکار منسوب کیا ہے۔

وہ کہتے ہیں:

ونسب القول به الى ابى حنيفةؒ وحكى عن اصحابه ونسبه امام الحرمين الى مالكؒ وانكره القرطبى فقال ليس معروفا من مذهبه وكذلك انكر اصحاب ابى حنيفةؒ ما حكى عن ابى حنيفة من القول به۔[2]

یعنی استحسان کا قول امام ابوحنیفہؒ اور ان کے بعض اصحاب کی جانب منسوب ہے اور امام الحرمین نے امام مالکؒ کی جانب بھی منسوب کیا ہے لیکن قرطبی نے اسے مذہب مالکی میں غیر معروف قرار دیا ہے اور اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب نے بھی امام صاحب کی طرف اس کی نسبت کا انکار کیا ہے۔

شوکانی نے تو مذہب حنبلی میں استحسان کے ثبوت سے متعلق ابن الحاجب وغیرہ کے اقوال کی بھی تردید کرتے ہوئے جمہور کی طرف اسکے انکار و ابطال کا قول منسوب کر دیا ہے لیکن موصوف کی یہ رائے محض سطحی اور خلاف حقیقت ہے کیونکہ تاریخ مذاہب فقہیہ کی واقعی اور عملی شہادتیں اس کے برعکس ہیں جو تمام مسلمہ فقہی مذاہب میں دیگر اصول اجتہاد کی طرح استحسان کی حجیت و قطعیت اور استنباط احکام میں اس پر اعتماد کا ٹھوس ثبوت پیش کرتی ہیں۔ جیسا کہ

---

[1] ابو زہرہ: اصول الفقہ، ج ۱، ص ۲۰۷

[2] الشوکانی: ارشاد الفحول، ص ۲۴۰

ڈاکٹر حسین حامد حسان نے درست کہا ہے:

وهذا نوع من الاجتهاد موجود فی فقه الائمة جمیعا ولیس فی فقه ابی حنیفةؒ فقط ولکن الشافعیة لم یطلقوا علیه استحسانا بل عدوه تطبیقا للقواعد وتحقیقا لمناط العموم... وعلی کل حال، فانه لامشاحة فی الاصطلاح ولاحجر فی التسمیة مادامت الحقائق محل اتفاق۔ [1]

یعنی اجتہاد کی یہ نوع تمام ائمہ ہدیٰ کے فقہی مذاہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے نہ کہ صرف امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں تاہم شافعیہ نے اسے استحسان کا نام نہیں دیا بلکہ قواعد کی تطبیق اور عموم نصوص کی تحقیق مناط سے تعبیر کیا ہے... لیکن بہرطور جب حقائق محل اتفاق ہیں تو پھر کسی مخصوص اصطلاح یا نام کو اپنانے پر کوئی پابندی اور ممانعت نہیں۔

حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں استحسان کی حجیت تو کسی خارجی قرینہ یا ثبوت کی محتاج نہیں کیونکہ ان دونوں مذاہب کے جلیل القدر اماموں اور اکابر علماء کی تصریحات اس سلسلہ میں مکمل طور پر واضح اور بے غبار ہیں جن میں بعض پیچھے اہمیت استحسان اور تعریف استحسان کے ضمن میں بیان ہو چکیں اور بعض آگے مختلف مقامات پر بالتفصیل بیان کی جائیں گی، اسی طرح حنابلہ کی جانب حجیت استحسان کی نسبت بھی اکابر فقہاء اور اصولیین سے ثابت ہے۔ چنانچہ علامہ آمدی[2]، ابن الحاجب[3]، علامہ اسنوی[4]، مجوی[5]، استاذ عبدالوہاب خلاف[6]، استاذ محمد یوسف

---

[1] حسین حامد حسان: نظریۃ المصلحۃ فی الفقہ الاسلامی، ص ۵۹۳

[2] الآمدی: الاحکام: ج ۴، ۲۰۹

[3] ابن الحاجب: مختصر ابن الحاجب مع الشروح، ج ۲، ص ۲۵۵

[4] الاسنوی: شرح المنہاج، ج ۳، ص ۱۲۳

[5] المجوی: الفکر السامی، ج ۱، ص ۸۸

[6] خلاف: مصادر التشریع الاسلامی: ص ۷۰

موسیٰ[1] اور علی حسب اللہ[2] وغیرہ نے حنابلہ کی طرف حجیت استحسان کا قول منسوب کیا ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر یہ کہ خود حنبلی مذہب کی کتب اصول میں اس کی تصریح ملتی ہے چنانچہ ابن قدامہ المقدسی نے روضۃ الناظر[3] میں اور نجم الدین الطوفی نے اپنے مختصر رسالہ میں استحسان کی تعریف، بیان کرنے کے بعد اسے امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک حجت قرار دیا ہے[4]۔ اسی طرح علامہ صفی الدین البغدادی نے اپنی کتاب "قواعد الاصول" میں تصریح کی ہے کہ:

قال القاضی: الاستحسان مذهب احمد وهو ان ترك حكما الى حكم هو اولى منه۔[5]

یعنی بقول قاضی، امام احمد کے مذہب میں استحسان حجت ہے اور وہ کسی حکم کو چھوڑ کر اس سے بہتر حکم کی طرف رجوع کرنے کا نام ہے۔ مذہب حنبلی کی ایک اور مایۂ ناز کتاب المسودۃ فی اصول الفقہ، جو خانوادۂ تیمیہ کے تین معزز علماء کی مشترک تصنیف ہے میں کہا گیا ہے کہ:

اطلق احمد القول بالاستحسان فی مواضع[6]

یعنی امام احمد نے متعدد امور میں استحسان پر اعتماد کیا ہے۔ اس کے بعد حنبلی استحسان کی چند نظائر بیان کی گئی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ قال فی روایۃ المیمونی: استحسن ان یتیمم لکل صلاۃ، والقیاس انه بمنزلة الماء یصلی به حتی یحدث۔ ان یجد الماء۔

---

[1] یوسف موسیٰ: المدخل لدراسۃ الفقہ الاسلامی، ص ۱۹۶

[2] علی حسب اللہ: اصول التشریع الاسلامی، ص ۲۰۴

[3] ابن قدامہ: روضۃ الناظر، ص ۸۵

[4] خلاف: مصادر التشریع الاسلامی: ص ۷۷

[5] صفی الدین البغدادی: قواعد الاصول، ص ۱۱۹

[6] آل تیمیہ: المسودۃ فی اصول الفقہ، ص ۴۵۱

یعنی میمونی کی روایت میں امام احمد کا قول ہے کہ میں از روئے استحسان ہر نماز کے لیے تیمم کرنے کا فتویٰ دیتا ہوں حالانکہ قیاس یہ ہے کہ وضو کی طرح تیمم سے بھی حدث ظاہر ہونے تک متعدد نمازیں ادا کی جا سکتی ہیں۔

ب۔ قال فی روایة بکر بن محمد فیمن غصب ارضا فزرعها۔ الزرع لرب الارض وعلیه النفقة، وهذا شیء لا یوافق القیاس ولکن استحسن ان یدفع الیه نفقته۔

یعنی غاصب اگر ارض مغصوبہ میں فصل کاشت کر دے تو فصل مالک زمین کی ہوگی اور وہ خرچہ ادا کریگا یہ حکم قیاس کے خلاف ہے لیکن استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ مالک زمین، غاصب کو اس کے اخراجات ادا کرے۔

ج۔ قال فی روایة المروزی، یجوز شراء ارض السواد ولا یجوز بیعها۔ فقیل له کیف یشتری ممن لا یملك؟ فقال القیاس کما تقول، وهذا استحسان۔

یعنی ارض سواد کو خرید نا جائز ہے مگر فروخت کرنا ممنوع ہے اور یہ حکم استحسان پر مبنی ہے۔

د۔ قال فی روایة صالح فی المضارب، اذا خالف فاشتری غیر ما امره به صاحب المال فالربح لصاحب المال ولهذا اجرة مثله الا ان یکون الربح یحیط باجرة مثله فیذهب وکنت اذهب الی ان الربح لصاحب المال ثم استحسنت۔[۱۳]

یعنی اگر مضارب نے صاحب المال کی بتائی ہوئی چیز کے علاوہ کچھ اور خرید ا تو منافع صاحب مال کا ہوگا اور مضارب کو اجرت مثل ملے گی، یہ حکم بھی استحسان پر مبنی ہے۔ رہے امام شافعیؒ تو اگرچہ بظاہر ان کی طرف اصول استحسان کا انکار و ابطال منسوب ہے بلکہ خود انہوں نے الرسالۃ، اور الام، میں ابطال استحسان کے عنوان سے باب باندھا اور اس سلسلہ

---

[۱۳] ایضاً: ص ۳۵۲

ہیں اپنے دلائل وشبہات بڑی تفصیل سے بیان کرتے ہوئے یہ معروف جملہ کہا ہے من استحسن فقد شرع یعنی جس نے استحسان پر عمل کیا وہ گویا ایک نئی شریعت گھڑنے کا مرتکب ہوا لیکن ان کے یہ تمام شبہات بقول ڈاکٹر احمد حسن محض غلط فہمی پر مبنی تھے [۱]۔ جیسا کہ آگے چل کر تفصیل سے وضاحت کی جائے گی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ۔ بقول علامہ بجوری وہ خود بھی نہ صرف نظری طور پر استحسان کے قائل تھے بلکہ عملاً استنباط احکام میں اسے برتتے بھی تھے [۲]

چنانچہ سیف الدین آمدی، تقی الدین سبکی، شیخ الاسلام زکریا انصاری، علامہ ماوردی، بنانی اسنوی، قاضی رویانی، امام رافعی اور امام غزالی جیسے جلیل القدر شافعی علمائے فقہ واصول نے امام شافعیؒ کی طرف حجیت استحسان کا عملی اقرار منسوب کرتے ہوئے اس سلسلہ میں بہت سے فقہی نظائر بھی بیان کیے جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

ا۔ امام شافعی نے فرمایا:

استحسن فی المتعۃ ان تکون ثلاثین درھما [۳]

یعنی ازروئے استحسان متعہ (مطلقہ کو دیئے جانے والے ہدیہ) کی مقدار تیس درہم ہے

ب۔ استحسن ان تثبت الشفعۃ الی ثلاثۃ ایام [۴]

یعنی مجھے شفیع کے لیے حق شفعہ تین دن تک ثابت وحاصل رہنا مستحسن معلوم ہوتا ہے۔

قسم لینے کے بارے میں فرمایا:

ج۔ وقد رایت بعض الحکام یحلف بالمصحف وذلک عندی حسن [۵]

یعنی میں نے بعض قاضیوں کو قرآن پاک پر قسم لیتے دیکھا ہے اور یہ میرے نزدیک مستحسن ہے۔

---

[۱] احمد حسن: مقالہ اصول فقہ اور امام شافعی، فکر ونظر، جولائی ۱۹۶۷ء ص ۴۹

[۲] البجوری، الفکر السامی ج ۳ ص ۲۳۲

[۳] الشافعی: الام، ج ۵، ص ۵۲ الآمدی الاحکام، ج ۴، ص ۲۱۰

[۴] الشافعی الام، ج ۳، ص ۲۳۲

[۵] الشافعی: الام، ج ۶، ص ۲۷۹

مؤذن کے بارے میں کہا:

د۔ حسن ان یضع اصبعیہ فی صماخی اذنیہ [1]

یعنی مؤذن کے لیے پسندیدہ یہ ہے کہ اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر اذان دیا کرے۔

ھ۔ استحسن ان یترک شیٔ للمکاتب من نجوم المکاتبۃ [2]

یعنی استحسان کا تقاضا ہے کہ مکاتب غلام کو بدل کتابت کی اقساط میں سے کچھ معاف کر دیا جائے۔

و۔ ان اخرج السارق یدہ الیسری بدل الیمنی فقطعت، فالقیاس یقتضی قطع یمناہ والاستحسان۔ ان لا تقطع [3]

یعنی اگر چور بایاں ہاتھ سامنے کر دے اور حد سرقہ میں کاٹ دیا جائے تو قیاس کا تقاضا ہے کہ اب اس کا دایاں ہاتھ بھی کاٹا جائے (کیونکہ اصل میں دایاں ہاتھ کاٹنا ہی واجب ہے) لیکن استحسان کی رو سے اس کا دایاں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

ز۔ ان صورتوں کے علاوہ اور بہت سے مقامات پر امام شافعی نے استحسان اور استحباب کے الفاظ استعمال کیے ہیں مثلاً۔

وقد استحسنتم ان توتروا بثلاث اور ینبغی تستحبوا ما صنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکل حال [4] وغیرہ۔

ح۔ پھر بہت سے مسائل ایسے بھی ہیں جن میں اگرچہ امام شافعیؒ لفظ استحسان استعمال نہیں کرتے لیکن اس سلسلہ میں جو اصول اور طریق کار اختیار کرتے ہیں، وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے استحسان

---

[1] الشافعی: الام، ج ۱، ص ۷۶، الماوردی، ادب القاضی، ج ۲، ص ۶۵۸

[2] السبکی، الابہاج شرح المنہاج، ج ۳، ص ۱۲۵، الآمدی: الاحکام، ج ۴، ص ۲۱۰

[3] زکریا انصاری، غایۃ الوصول، ص ۱۴۰

[4] الشافعی: الام، ج ۷، ص ۱۹۰، ص ۲۳۹

میں داخل ہے۔ چنانچہ مسئلہ عرایا کے سلسلہ میں امام شافعیؒ ایک حدیث کی بنیاد پر قیاس کو ترک کر کے حدیث پر عمل کرتے ہیں کیونکہ عریہ، مزابنہ میں داخل ہے۔ جس کی ممانعت حدیث سے ثابت ہوتی ہے[1]

ط۔ بجوی کہتے ہیں:

ان الشافعی ایضا لم یخل عن الاستحسان، فقد ثبت عنه ان امد الحمل اربع سنین، مع ان القیاس یقتضی ان یکون تسعة اشهر لانه غالب ما یقع[2]

یعنی حقیقت یہ ہے کہ امام شافعیؒ بھی استحسان پر عمل سے خالی نہیں۔ چنانچہ ان سے حمل کی مدت چار سال تک ثابت ہے حالانکہ از روئے قیاس مدت حمل ۹ ماہ ہونی چاہیئے جو امر غالب ہے کیونکہ شریعت کے احکام غالب عادات پر مبنی ہوتے ہیں۔

ی۔ اسی طرح مسئلہ حماریہ اور مسئلہ مشترکہ میں امام شافعی کا موقف بھی وہی ہے جو قائلین استحسان کا ہے کہ ان مسائل میں قیاسی حکم کی رو سے شقیق بھائی محروم رہتے ہیں اور صرف ماں جائے بھائی حقدار وراثت ٹھہرتے ہیں حالانکہ شقیق بھائی ماں جایا ہونے میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں، اس بنا پر قیاس کو چھوڑ کر از روئے استحسان سب بھائیوں کو مال وراثت کا حقدار قرار دیا گیا ہے۔

اور بجوی کہتے ہیں:

والشافعی یقول بهذا کما لك فلزمه القول بالاستحسان ولو سماه بغیر اسمه[3]

یعنی امام شافعی کا موقف بھی یہاں وہی ہے جو امام مالکؒ کا ہے، اس لیے استحسان پر

---

[1] الشافعی: الام، ج ۸، ص ۱۸۲

[2] البجوی: الفکر السامی، ج ۱، ص ۹۲

[3] ایضاً: ص ۹۱

عمل ان سے بھی ثابت ہوتا ہے اگرچہ وہ اسے استحسان کا نام نہ دیں مگر نام کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ک۔ امام شافعیؒ کی پیروی میں ان کے متعدد اصحاب اور اکابر فقہائے شافعیہ جیسے امام رافعی قاضی رویانی ابوالفرج السرخسی عزالدین بن عبدالسلام، جلال الدین السیوطی اور السبکی وغیرہ بھی استحسان کے قائل ہیں[1] اور استنباط احکام و تفریع جزئیات میں اس سے پوری طرح کام لیتے ہیں۔

چنانچہ المنخول کے حاشیہ نگار لکھتے ہیں۔

قال الرافعی فی التغلیظ علی المعطل فی اللعان استحسن ان یحلف ویقال، قل بالذی خلقك ورزقك۔[2]

یعنی امام رافعی نے کہا: لعان میں رک جانے والے سے سختی کے ساتھ حلف لیا جائے گا۔ یہ استحسان کی بناء پر کہتا ہوں۔

ل۔ نیز یہ بھی آیا ہے۔

قال القاضی الرویانی فیما اذا امتنع المدعی من الیمین المردودة، و قال، امهلونی لاسال الفقهاء استحسن قضاة بلدنا امهاله یوما۔[3]

یعنی لوٹائی جانے والی قسم سے باز رہنے والے مدعی کے بارے میں قاضی رویانی نے کہا کہ: مجھے وقت دو، میں فقہاء سے پوچھ لوں کیوں کہ ہمارے شہر کے قاضی از روئے استحسان مدعی کو ایک دن کی مہلت دیتے ہیں۔

م۔ استحسان اپنی نوعیت کے اکثر مظاہر میں استثناء سے تعبیر ہے، جیسا کہ شروع میں واضح کیا جا چکا ہے، بلکہ مالکیہ نے تو اس کی تعریف ہی استثناء مصلحة جزئیة

---

[1] السبکی: الابہاج، ج ۳، ص ۱۲۵

[2] محمد حسن ہیتو، تعلیق المنخول، ص ۳۷۴

[3] ایضاً: ص ۳۷۴۔

من قاعدۃ کلیۃ بیان کی ہے۔ اور استثنائی۔ احکام فقہ شافعی میں بھی بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں جو بالآخر استحسان ہی پر مبنی قرار پاتے ہیں۔ چنانچہ شافعیہ کے نزدیک حرم کا گھاس کاٹ کر چوپایوں کو کھلانا جائز ہے کیونکہ اسے نہ کاٹنے سے حجاج کو تکلیف و مشقت لاحق ہوتی ہے[1]، اور یہ حکم، عمومی حرمت سے استثناء و ترخیص ہی تو ہے جس کی نوعیت استحسانی ہے۔

ن۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے ایسے پھل خریدے جن کی صلاح ظاہر ہو چکی ہے تو پک کر کاٹنے کے قابل ہو جانے تک ان کا درختوں پر باقی رکھنا عرف کی بنا پر لازم ہے اس بارے میں عزالدین ابن عبدالسلام الشافعی کہتے ہیں:

انما صح هذا الاشتراط مع ان الحاجة ماسة اليه ومعاملة عليه فكان من المستثنيات عن القواعد تحقيقا لمصالح هذا العقد۔[2]

یعنی اس شرط کا صحیح ہونا محض حاجت کی بنا پر قواعد عمومی سے استثنائی حکم ہے۔

س۔ نیز وہ کہتے ہیں

انما خولفت القواعد في الوقف على بناء القناطر والمساجد لان المقصود منه المنافع والغلات وهي باقية الى يوم الدين، فلما عظمت مصلحته خولفت القواعد في امره تحصيلا للمصلحة۔[3]

یعنی پلوں اور مساجد سے متعلق وقف کے معاملہ میں عمومی قواعد کو چھوڑ کر استثنائی، استحسانی احکام اس لیے اپنائے گئے تاکہ مصالح وقف کی تکمیل ہو سکے۔

ع۔ اسی طرح علماء شافعیہ نے دادا کے لیے اپنی پوتی کا پوتے سے خود ہی نکاح کر دینے

---

[1] مصطفیٰ شلبی، اصول الفقہ، ص ۲۶۸

[2] عزالدین بن عبدالسلام: قواعد الاحکام فی مصالح الانام، ج ۲، ص ۱۰۸

[3] ایضاً، ج ۲، ص ۱۵۲

کا اختیار بھی قواعد و قیاس کے خلاف دیا ہے اور باپ یا دادا کے لیے قرض کی وجہ سے اپنے زیر ولایت بچوں کا مال رہن رکھنے کا اختیار بھی قیاس کے خلاف محض استحسان کی بنا پر دیا ہے [1]

ان تمام نظائر سے ثابت ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ باوجود نظری اعتبار سے ظاہری انکار عملاً اپنی فقہ میں استنباط احکام کے وقت اصول استحسان پر پورا پورا اعتماد کرتے ہیں اور اس کی بنا پر قیاس اور قواعد عامہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور غالباً یہی وجہ ہے جس کی بنا پر شیخ محی الدین ابن عربی نے الفتوحات المکیہ میں امام شافعیؒ کے معروف قول کو انکار کی بجائے مدح پر محمول کیا کہ گویا من استحسن فقد شرع سے ان کی مراد یہ تھی کہ استحسان کی بنا پر استنباط احکام کرنے والا شخص عمل اجتہاد و تشریع میں نبی کے قائم مقام ہے [2]۔

تاہم میرے خیال میں امام شافعیؒ کا یہ قول تاویل کا محتاج نہیں بلکہ اس کا محل مختلف ہے ان کے پیش نظر استحسان کا وہ مفہوم تھا جو بالاتفاق باطل اور مردود ہے۔ جب کہ استحسان کے حقیقی اور واضح مفہوم میں نہ صرف وہ نظری طور پر قائل ہیں بلکہ عملاً اسے پوری طرح استنباط احکام میں برتا ہے ان مسلمہ فقہی مذاہب کے علاوہ دیگر فقہاء و مجتہدین نے بھی استحسان کی حجیت کو تسلیم کیا اور اسے بطور مصدر شریعت اپنایا ہے۔ چنانچہ امام اوزاعی، ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری کے علاوہ معتزلہ میں سے ابوالحسین البصری اس کے قائل ہیں [3]

یوں بالآخر اصول استحسان تمام مسلمہ فقہی مذاہب اور معتبر فقہاء و مجتہدین اور اصولیین کے نزدیک قابل اعتماد اور حجت ٹھہرتا ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جس کے پیش نظر محققین کی ایک جماعت نے

---

[1] نہایۃ المحتاج: ج ۴ ص ۴ ص ۲۳۲

الاشباہ والنظائر سیوطی ص ۲۲۳

[2] الجوی: الفکر السامی: ج ۱ ص ۹۳

[3] الاسنوی: شرح المنہاج: ج ۳ ص ۱۲۵، الشوکانی: ارشاد الفحول: ص ۲۴۱ الجوی، الفکر السامی: ج ۱ ص ۸۹: خلاف: مصادر التشریع الاسلامی: ص ۸۱

یہ کہا ہے کہ استحسان اپنی حقیقت کے لحاظ سے محل اتفاق ہے اور اس کے مفہوم اور حجیت کے بارے میں تمام اختلاف نزاع لفظی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

چنانچہ علامہ سبکی، علامہ اسنوی، اور ان کی پیروی میں شوکانی، حجوی اور دیگر علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ:

الحق انه لا یتحقق استحسان مختلف فیه، لانهم ذکروا فی تفسیره امورا بعضها مقبول اتفاقا و بعضها مردود اتفاقا و بعضها متردد بین ما هو مقبول اتفاقا و بین ما هو مردود اتفاقا۔[1]

یعنی حقیقت یہ ہے کہ استحسان مختلف فیہ کا وجود ہی نہیں پایا جاتا کیونکہ اس کی تفسیر میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ یا تو بالاتفاق باطل و مردود ہے یا بالاتفاق مقبول وحجت اور یا ان دونوں کے درمیان متردد ہے اس سلسلہ میں علامہ ابن السمعانی کا یہ قول بہت واضح ہے کہ:

ان کان الاستحسان هو القول بما یستحسنه الانسان و یشتهیه من غیر دلیل فهو باطل و لا احد یقول به و ان کان هو العدول عن دلیل الی دلیل اقوی منه فهو مما لم ینکره احد فالخلاف لفظی۔[2]

یعنی اگر استحسان بغیر دلائل شرعی کے محض خواہش نفس کی بناء پر فیصلہ کا نام ہے تو یہ بالاتفاق باطل ہے جس کا کوئی بھی قائل نہیں اور اگر یہ مرجوح دلیل سے قوی تر دلیل کی طرف عدول سے عبارت ہے تو سب کے نزدیک حجت ہے اور کوئی بھی اس کا منکر نہیں۔ لہٰذا استحسان کے بارے میں اختلاف محض لفظی ہے۔ اسی حقیقت کو علامہ آمدی نے یوں کیا ہے کہ:

فحاصل النزاع راجع فیه الی الاطلاقات اللفظیة و لا حاصل له۔[3]

---

[1] الاسنوی: شرح المنہاج ج ۳ ص ۱۲۵؛ الشوکانی: ارشاد الفحول ص ۲۳۱ الحجوی، الفکر السامی ج ۲ ص ۸۹ خلاف مصادر التشریع الاسلامی ص ۸۱

[2] الشوکانی: ارشاد الفحول ص ۲۴۱

[3] الآمدی: الاحکام فی اصول الاحکام ج ۴ ص ۲۱۳

یعنی استحسان کی حقیقت وحجیت کے بارے میں تمام اختلافات کا ماحصل صرف نزاع لفظی ہے اور کچھ نہیں۔

ان تمام تصریحات سے یہ حقیقت واشگاف ہو کر سامنے آگئی کہ استحسان، احکام فقہیہ کے استنباط کا ایک ایسا قطعی اور یقینی اصول ہے جو فقہ اسلامی کی پوری عملی تاریخ پر محیط ہے اور تمام مسلمہ فقہی مذاہب کے نزدیک بالاتفاق حجت اور واجب الاعتبار ہے جیسا کہ ڈاکٹر حسین حامد حسان نے استحسان کے مفہوم اور مشروعیت پر گفتگو کرنے کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہوئے بجا طور پر لکھا ہے۔

وھذا یدل علی ان قاعدۃ الاستحسان قاعدۃ قطعیۃ ماخوذۃ من مجموع النصوص الشرعیۃ بطریق الاستقراء، فالعمل بھا والتفریع علی اساسھا والرجوع الیھا عمل بمجموع نصوص شرعیۃ ولیس عملا بالرای ولا تشریعا بالھوی۔ [1]

یعنی ان تمام امور سے ثابت ہوتا ہے کہ استحسان ایک قطعی اور یقینی قاعدہ ہے جو بہت سے نصوص شریعت کے استقراء سے ماخوذ ہے لہٰذا اس پر عمل اور اس کے ذریعہ تفریع احکام درحقیقت ان متعدد نصوص شرعیہ پر عمل کے مترادف ہے نہ کہ محض اپنی رائے یا خواہش کے ذریعہ شریعت سازی۔

۲۔ قطعیت استحسان پر مزید وجوہ استدلال

اوپر ہم نے استحسان کی قطعیت پر صرف ایک دلیل قائم کی ہے۔ جو اپنی واقعی وعملی اور تاریخی حیثیت واہمیت کے باعث ایک اٹل اور رائمنٹ شہادت ہے: جس کے بعد مزید کسی دلیل وبرہان کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن ہم اس سلسلہ میں مزید دلائل آگے حجیت استحسان کے عنوان سے پیش کر رہے ہیں۔

---

[1] حسین حامد حسان: نظریۃ المصلحۃ فی الفقہ الاسلامی: ص ۲۳۹

ثالثاً: حجیت استحسان پر چند اجمالی دلائل

مشروعیت استحسان کی دینی اور عمرانی بنیادوں پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے اس کی مشروعیت کو اسلامی فلسفۂ قانون کا ایک لازمی فطری تقاضا قرار دینے کے بعد اور پھر تمام مسلمہ فقہی مذاہب میں استحسان کی مشروعیت کے عملی نظائر کے حوالے سے اس کی قطعیت اجاگر کرنے کے بعد، اگرچہ حجیت استحسان پر مزید کسی داخلی یا خارجی دلیل و برہان کی ضرورت باقی نہیں رہتی تاہم اس کی مشروعیت کے سلسلہ میں ماضی اور حال کی تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے اور ظاہری و لفظی نزاعات اور اختلافات کے نتیجے میں اس پر پڑ جانے والے غبار کو دور کرنے کی خاطر حجیت استحسان پر چند اجمالی دلائل پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ دلیل نصی

قرآن کریم، احادیث نبویہ علی صاحبہا التحیہ اور آثار صحابہ رضؓ میں متعدد ایسی تصریحات ملتی ہیں جو استحسان کی حجیت اور مشروعیت پر نص محکم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ تصریحات بنیادی طور پر تین قسم کی ہیں۔

۱۔ وہ آیات و احادیث اور آثار صحابہ رضؓ جن میں مستحسن امور کی پیروی کرنے کی تلقین کی گئی ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ:

فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه [1]

اور ارشاد خداوندی:

اتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم [2]

نیز ارشاد الٰہی:

وامر قومك یاخذوا باحسنها [3]

اور حدیث یا اثر ابن مسعود رضؓ:

---

[1] الزمر: ۱۸

[2] الاعراف: ۳

[3] الاعراف: ۱۴۵

ما رآہ المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن وغیرہ۔ ان نصوص میں احسن کی جو تفریح آئی ہے وہ عموم الفاظ کے حوالے سے استنباط احکام میں "امر مستحسن کی" حجیت اور پیروی کو بھی شامل ہے۔ یہ الگ بات کہ اس حکم مستحسن کو مجرد عقل و رائے پر مبنی نہیں ہونا چاہیئے بلکہ کسی نہ کسی دلیل شرعی پر استوار ہونا چاہیئے تاہم تعارض ادلہ کے وقت ترجیح کی بنیاد تو لازماً احکام کا مستحسن ہونا ہی قرار پائے گا۔

ب۔ وہ آیات و احادیث اور آثار جو اجتہاد کی مختلف وجوہ انواع اور مسائل استنباط کی حجیت و مشروعیت پر دلالت کرتے ہیں جیسے قیاس، مصلحت، عرف اور قاعدہ ذرائع وغیرہ کی حجیت سے متعلق نصوص قرآن و سنت یہ سب کے سب بالواسطہ طور پر استحسان کی مشروعیت پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ استحسان اپنی سند میں انہی دلائل شرعیہ پر اعتماد کرتا ہے اور ان سے ہٹ کر ترجیح و استنباط احکام میں کوئی اثر نہیں رکھتا۔ لہٰذا سند استحسان کی حجیت پر دلالت کرنے والے نصوص بالآخر خود استحسان کی حجیت کے بھی اہل شواہد بن جاتے ہیں۔

ج۔ وہ نصوص و آثار جو اسلامی قانون کی ان شرعی اور عمرانی خصوصیات کو اجاگر کرتے ہیں جن کی بنیاد پر اصول استحسان کی مشروعیت استوار ہے جیسے یسر و سماحت، رفع حرج و دفع مشقت، تکلیف بقدر استطاعت اور اعتبار مآل وغیرہ۔ ان تمام خصائص قانون پر دلالت کرنے والے نصوص و آثار بالواسطہ طور پر ان خصائص کے لازمی فطری نتیجہ یعنی استحسان کی مشروعیت و حجیت کو بھی ثابت کرتے ہیں۔ یہ نصوص حد احصاء سے باہر ہیں اور یہاں انہیں بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔

۲۔ دلیل استقرائی

استحسان کی حجیت اور قطعیت پر سب سے بڑی دلیل استقراء کلی مشابہ بہ تواتر معنوی ہے۔ یہ دلیل استقرائی بھی بنیادی طور پر تین رخ رکھتی ہے۔

۱۔ استقراء حوادث و احکام

حوادث اور احکام کے استقراء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیاس ظاہر، کلی قواعد اور عام قوانین پر اگر سختی سے عمل کیا جائے تو بعض مسائل یا حالات میں اس حکم کے اطلاق سے جو مصلحت مقصود ہوتی ہے۔ وہ فوت ہو جاتی اور بجائے منفعت کے فساد اور ضرر لازم آتے ہیں لہٰذا عقلی

طور پر بھی عدل رحمت کا تقاضا ہے کہ مجتہدین کیلئے اصول تشریع میں اتنی گنجائش موجود ہو کہ بعض خاص مسائل یا بدلتے ہوئے حالات وظروف میں عام قوانین اور قیاس سے ہٹ کر حصول مصلحت اور دفع مضرت کی خاطر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کر سکیں[1] اور اسی کا نام اصول استحسان ہے۔

ب: استقراء نصوص و آثار

علامہ شاطبی نے اصول استحسان کو ایک ایسے اصل کلی کی طرف راجع قرار دیا ہے جو شریعت کے بے شمار نصوص کے استقراء سے ماخوذ ہونے کے باعث قطعی اور یقینی ہے۔

وہ کہتے ہیں۔

کل اصل کلی لم یشهد له نص معین ..... ویدخل تحت هذا ضرب الاستدلال المرسل ..... وکذلك هل الاستحسان علی رأی مالك ینبنی علی هذا الاصل لان معناه یرجع الی تقدیم الاستدلال المرسل علی القیاس۔[2]

یعنی استدلال مرسل اور استحسان درحقیقت ایک اصل کلی کے تابع ہیں جو کسی معین نص کی بجائے بہت سی نصوص کے استقراء سے یقینی اور استقراء کے ذریعہ ایک قطعی اور یقینی قاعدہ کے طور پر حجت ثابت ہوتا ہے۔

ج: استقراء واقع شرعی

شریعت اسلامیہ میں موجود احکام اور قواعد تشریع کے استقراء سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ شارع نے بعض واقعات یا مسائل میں قیاس ظاہر اور قواعد عمومی کے مقتضی کو چھوڑ کر مصالح دینیہ وعمرانیہ کی تحصیل کی خاطر استثنائی اور رخصتی احکام وضع فرمائے ہیں جیسے سلم، اجارہ، مضاربت، مساقات، مزارعت اور بیسیوں دیگر معاملات جو قیاس وقواعد کے خلاف از روئے نص شرعی جائز قرار پائے ہیں۔ اسی طرح ضرورت واضطرار کے حالات میں اور رفع حرج

---

[1] خلاف: مصادر التشریع الاسلامی، ص ۷۷

[2] الشاطبی: الموافقات: ج ۱، ص ۳۹

ومشقت کی خاطر متبادل عارضی رخصتی احکام بھی دیئے گئے ہیں یہ تمام احکام درحقیقت استحسان ہی پر مبنی ہیں لہٰذا ان تمام وقائع تشریعیہ کا استقراء اصول استحسان کی حجیت اور مشروعیت پر پوری طرح دلالت کرتا ہے۔

۳۔ دلیل اجماعی

استحسان کی مشروعیت اور حجیت پر ایک اور بہت بڑی دلیل اجماع ہے چنانچہ اوپر قطعیت استحسان کے ضمن میں تمام مکاتب فقہ کے مشروعیت استحسان پر عملی اتفاق و اجماع کو پوری طرح ثابت کیا جا چکا ہے جس کے بعد یہ حقیقت بے غبار ہو جاتی ہے کہ استحسان کی حجیت میں دراصل کوئی نزاع و اختلاف نہیں بظاہر منکرین استحسان کے تمام اعتراضات ایک ایسے مزعومہ معنیٔ استحسان پر وارد ہوتے ہیں جس کا کوئی بھی قائل نہیں اور وہ استحسان جس کے فقہاء مذاہب قائل ہیں اس کی حجیت میں کسی کو بھی نزاع و کلام نہیں۔

صدر الشریعۃ کہتے ہیں۔

والاستحسان حجة لان ثبوته بالدلائل التی هی حجة اجماعا وقد انکر بعض الناس العمل بالاستحسان جهلا منهم، فان انکروا هذه التسمية فلا مشاحة فی الاصطلاح۔[۲]

یعنی استحسان یقیناً حجت ہے کیونکہ اس کی شریعت پر دلالت کرنے والے تمام شواہد بالاتفاق حجت ہیں باقی جن لوگوں نے استحسان کا انکار کیا ہے وہ نادانی اور غلط فہمی پر مبنی ہے اور اگر انہیں صرف لفظ استحسان کے اطلاق پر اعتراض ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ وضع اصطلاح پر کوئی پابندی نہیں۔

---

[۱] الماوردی: ادب القاضی: ج ۲، ص ۶۵۲

نیز محمد یوسف موسیٰ: المدخل لدراسۃ الفقہ الاسلامی: ص ۱۹۹

[۲] دیکھئے موسوعہ جمال عبدالناصر فی الفقہ اسلامی، مادہ استحسان: ص ۴۲

۴۔ دلیل تاریخی

حجیت استحسان پر اسلامی قانون کے تاریخی تسلسل سے بھی ایک بہت بڑی شہادت ملتی ہے۔ چنانچہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر عہد صحابہ، دور تابعین، عصر ائمہ اجتہاد اور عہد تقلید تک پھیلے ہوئے ادوار تشریع میں استحسان نہ صرف ہمیشہ ایک بنیادی وسیلۂ اجتہاد کے طور پر زیر عمل رہا بلکہ دیگر تمام استنادی اور اجتہادی مصادر قانون کے مقابلہ میں اس کا کردار زیادہ واضح، مؤثر اور ہمہ گیر رہا ہے، جس سے بطور مصدر شریعت استحسان کی حجیت پر قطعی دلالت ملتی ہے۔ اس سلسلہ میں تفصیلی وضاحت آگے آرہی ہے۔

رابعاً: حجیت استحسان پر شبہات اور ان کا ازالہ

استحسان کی حجیت پر کیے جانے والے اکثر اعتراضات اور شبہات تو بالکل سطحی، غیر حقیقی اور محض غلط فہمی پر مبنی ہیں جو یا تو حقیقت استحسان سے ناواقفیت کے غماز ہیں اور یا پھر ان کا محل و مورد استحسان کا وہ مزعومہ تصور ہے جو تمام فقہاء کے نزدیک بالاتفاق مردود اور باطل ہے۔ اور کسی کے نزدیک بھی قابل قبول نہیں۔ لہٰذا ایسے تمام سطحی اور غیر حقیقی اعتراضات کو تو ہم قطعاً درخور اعتنا نہیں سمجھتے البتہ چند شبہات ایسے ہیں جو استحسان کی نوعیت اور حیثیت سے متعلق ہیں اور جن کی وضاحت و تردید کیے بغیر استحسان کی حقیقت اور حجیت پوری آشکار نہیں ہو سکتی اس لیے سطور ذیل میں ان شبہات و اعتراضات کا بالاختصار جائزہ لیا جاتا ہے۔

۱۔ شبہۂ موافقت شریعت و قیاس

علامہ ابن تیمیہ نے اور ان کی موافقت میں علامہ ابن القیم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں کوئی حکم ایسا نہیں جو قیاس صحیح کے خلاف ہو۔ بلکہ ہر ہر حکم قیاس کے ساتھ کلی مطابقت رکھتا ہے۔

وہ کہتے ہیں۔

القياس الصحيح لا تأتي الشريعة بخلافه قط ... فمن رأى شيأ من الشريعة مخالفا للقياس فانما هو مخالف للقياس الذي انعقد في نفسه ليس مخالفا للقياس الصحيح الثابت في نفس

الامر۔ [1]

یعنی شریعت اسلامیہ کا کوئی حکم قیاس صحیح کے خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا، اور جو حکم کسی کو خلاف قیاس نظر آئے تو وہ درحقیقت اس کے ذہن میں جنم لینے والے غلط قیاس کے خلاف ہوگا نہ کہ نفس الامر میں ثابت صحیح قیاس کے خلاف۔

علامہ ابن تیمیہ اور ابن القیم کا یہ مؤقف آگے چل کر حجیت استحسان کے خلاف ایک شبہہ اور اعتراض کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ کیونکہ استحسان قیاس ظاہر یا قاعدۂ کلیہ کے مصالح شرعیہ کی تحصیل میں ناکام ہو جانے کی بنا پر حکم قیاسی کو چھوڑ کر حکم استحسانی کی طرف رجوع کا نام ہے۔ اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ شریعت کا کوئی حکم قیاس کے خلاف نہیں ہو سکتا اور قیاس صحیح ہمیشہ نصوص شرعیہ کے مطابق ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں مشروعیت استحسان کی بنیاد ہی منہدم ہو کر رہ جاتی ہے۔

احکام شرعیہ اور قیاس صحیح کی کلی موافقت ثابت کرنے کے سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہ اور ابن القیم کی تمام کاوشیں قابل قدر سہی، مگر ان کے تمام نتائج کا درست ہونا ضروری نہیں لہٰذا یہ حقیقت اپنی جگہ پھر بھی برقرار رہتی ہے کہ بعض اوقات قیاسی احکام مقاصد شریعت کی تکمیل میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ خود مذہب حنبلی کے اندر قیاس کو چھوڑ کر استحسان پر مبنی احکام کی بہت سی نظائر المسودۃ فی اصول الفقہ میں بیان کی گئی ہیں جس کی تصنیف میں علامہ ابن تیمیہ بھی شریک ہیں۔ (یہ نظائر ہم پیچھے قطعیت استحسان کے ضمن بیان کر آئے ہیں۔)

دراصل یہ ضروری نہیں کہ ایک مسئلہ میں ہمیشہ ایک ہی قیاس پایا جائے بلکہ ایک معاملہ میں متعدد اور متعارض قیاس بھی پیش آ سکتے ہیں جن میں سے ایک قیاس زیادہ قوی اور دوسرا ظاہر و متبادر ہونے کے باوصف ضعیف ہو اور ایسے میں قیاس ظاہر کو چھوڑ کر قیاس مخفی کو اس کی قوت اثر کی بنا پر قبول کر لیا جائے، اور یہی تو استحسان ہے۔ لہٰذا

---

[1] ابن تیمیہ: مجموع فتاوی شیخ الاسلام: ج ۲: ص ۵۰۵۔ نیز ابن القیم: اعلام الموقعین: ج ۱ ص ۳۳۵ ج ۲ ص ۲۴

علامہ ابن تیمیہ کے اس موقف کو درست تسلیم کرتے ہوئے بھی حجیت استحسان پر کوئی زد نہیں پڑتی کیونکہ استحسان، قیاس صحیح کو چھوڑ کر غیر قیاسی حکم اپنانے کا نام نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ استحسان ایک ظاہر مگر ضعیف الاثر قیاس کو چھوڑ کر مخفی مگر قوی الاثر قیاس کی بناء پر فیصلہ کرنے سے عبارت ہے۔ استحسان کی سند خواہ نص و اجماع ہو یا عرف و مصلحت، وہ ہر صورت اپنی حقیقت کے لحاظ سے قیاس قوی الاثر ہی ہوتا ہے۔ خود علامہ ابن تیمیہ کے اس قول پر غور کیا جائے تو مذکورہ حقیقت واشگاف ہو جاتی ہے کہ:

وحیث جاءت الشریعة باختصاص بعض الانواع بحکم یفارق به نظائره فلا بد ان یختص ذلك النوع بوصف یوجب اختصاصه بالحکم ویمنع مساواته لغیره، لکن الوصف الذی اختص به قد یظهر لبعض الناس وقد لا یظهر، ولیس من شرط القیاس الصحیح المعتدل ان یعلم صحته کل احد[1]

یعنی شریعت میں جو احکام بظاہر خلاف قیاس نظر آتے ہیں وہ درحقیقت کسی نہ کسی ایسے خاص وصف پر مبنی ہوتے ہیں جو درحقیقت قیاس صحیح ہوتا ہے لیکن سب لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوتا اس تصریح سے عیاں ہے کہ استحسان پر مبنی احکام درحقیقت ایسے قیاس پر مبنی ہوتے ہیں جو فی الواقع صحیح اور حقیقی قیاس ہوتا ہے مگر مخفی ہونے کے باعث سب پر آشکار نہیں ہوتا۔

۲۔ شبہۂ اختلاف طبائع و احکام

علامہ ابن حزم نے حجیت استحسان پر یہ اعتراض کیا ہے کہ چونکہ مجتہدین کی طبائع اور ذہنی صلاحیتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے اس لیے اگر ان کا استحسان جو کہ میلان طبعی سے عبارت ہے۔ استنباط احکام کا ذریعہ قرار پائے تو نتیجۃً استحسانی احکام میں بے پناہ اختلاف و انتشار پیدا ہو جائے گا۔

وہ کہتے ہیں:

لو کان الحق فیما استحسنا دون برهان .... لبطلت الحقائق ولتضادت

---

[1] ابن تیمیہ: مجموع فتاویٰ: ۲: ۵۰۵

الدلائل وتعارضت البراهين ولكان تعالى يامرنا بالاختلاف
الذي قد نهانا عنه، وهذا محال، لانه لا يجوز اصلا ان يتفق
استحسان العلماء كلهم على قول واحد، على اختلاف طبائعهم
وهممهم واغراضهم.... ولا سبيل الى الاتفاق على استحسان
شيء واحد مع هذه الدواعي المهيجة واختلافها واختلاف نتائجها وموجباتها
ونحن نجد الحنفيين قد استحسنوا ما استقبحه المالكيون، ونجد المالكيين
قد استحسنوا قولا قد استقبحه الحنفيون، فبطل ان يكون الحق في
دين الله عز وجل مردودا الى استحسان بعض الناس۔ [1]

یعنی اگر بغیر دلیل کے محض مجتہد کی پسند و رغبت پر مدار حق ہو تو اختلاف طبائع و اغراض کے باعث کسی ایک حکم پر اس کا اتفاق محال ہونے کے باعث احکام شریعت میں اضطراب و اختلاف در آئے جو کہ ممنوع ہے۔ اور چونکہ علما مالکی اور حنفی فقہاء کے استحسانی احکام تعارض کا شکار نظر آتے ہیں اس لیے سرے سے اصول استحسان ہی باطل قرار پاتا ہے۔

علامہ ابن حزم کی یہ رائے اپنی جگہ درست مگر اس کا اطلاق، اصول استحسان پر غلط ہے کیونکہ اولاً تو استحسان صرف مجتہدین کے ذاتی رائے اور طبعی میلان کا نام نہیں جس کی بناء پر اختلاف و انتشار پیدا ہوتا ہے، بلکہ استحسان اپنی تمام انواع و صور میں کسی نہ کسی دلیل شرعی پر استوار ہوتا ہے جو سند استحسان کہلاتی ہے۔ اور ادلۂ شرعیہ کی بناء پر استنباط احکام میں کسی کو اختلاف نہیں۔ رہا فقہ مالکی اور فقہ حنفی میں اختلاف احکام تو یہ صرف استحسانی احکام تک محدود نہیں بلکہ واضح نصوص اور دلائل کی تشریح و توضیح اور تعیین مراد میں بھی اختلاف تمام مکاتب فقہ اور خود فقہ ظاہری کے اندر بھی پوری طرح موجود ہے۔ تو کیا اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے سرے سے اجتہاد و استنباط اور تعبیر نصوص کے قواعد و اصول ہی کا انکار کر دیا جائے۔ پھر حقیقت یہ ہے کہ استحسانی احکام میں تو فقہاء کے درمیان بہت کم اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر جستجو کی جائے تو شاید ہزاروں میں

---

[1] ابن حزم: الاحکام فی اصول الاحکام: ج ٦، ص ١٧

گنتی کے چند ہی مسائل و نظائر ایسے میسر آئیں جن میں فقہاء کے استحسان کی بناء پر اختلاف پیدا ہوا ہے۔ اس کے برعکس استحسان بہت سے وجوہ و اعتبارات سے اختلاف کو کم کرنے اور اس کی حدت مٹانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے، تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

۳۔ شبہۂ عدم استقلال استحسان

علامہ شوکانی نے استحسان کی مستقل مصدری حیثیت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے

فعرفت بمجموع ما ذکرنا ان ذکر الاستحسان فی مبحث مستقل لافائدۃ فیہ اصلا، لانہ ان کان راجعا الی الادلۃ المتقدمۃ فھو تکرار وان کان خارجا عنھا فلیس من الشرع من شی بل ھو من التقول علی ھذہ الشریعۃ بما لم یکن فیھا تارۃ وبما یضادھا اخری۔ [1]

یعنی مذکورہ امور سے واضح ہوتا ہے کہ استحسان کو مستقل دلیل کے طور پر الگ ذکر کرنا بے سود اور لاحاصل ہے کیونکہ اگر یہ دیگر ادلۂ شرعیہ کی طرف راجع ہو تو تکرار محض ہے اور اگر ان سے خارج ہو تو سراسر باطل ہے۔

استحسان کی فقہی نوعیت اور مصدری حیثیت کے بارے میں کسی قدر گفتگو ہم شروع میں کر آئے ہیں اور مزید وضاحت آگے آئے گی، یہاں صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اگر بالفرض علامہ شوکانی کا مؤقف ہی تسلیم کر لیا جائے اور استحسان کو دیگر دلائل شرعیہ سے الگ اور مستقل مصدر نہ قرار دیا جائے بلکہ انہی میں داخل سمجھا جائے تب بھی بطور وسیلۂ اجتہاد نظری و عملی اس کی حجیت اور مشروعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ کسی قاعدہ کا مصدر مستقل ہونا الگ چیز ہے اور حجت ہونا ایک دوسری چیز ہے۔ ورنہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حجیت استحسان اس کی مستقل مصدری حیثیت پر مبنی ہے تو پھر نہ صرف استحسان بلکہ تمام اجتہادی مصادر، قیاس، استصلاح، استصحاب، عرف، ذرائع وغیرہ کا بھی انکار کرنا پڑے گا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر خود استنادی مصادر کا بھی انکار لازم آئے گا کیونکہ استنادی مصادر میں اگر ایک لحاظ سے سنت سراسر قرآن پر مبنی اور اس کے تابع ہے تو دوسرے اعتبار سے ہم قرآن کی تشریح و توضیح میں سنت کے

---

[1] الشوکانی: ارشاد الفحول، ص ۲۴۱

پورے پورے محتاج ہیں اور یوں کلی استقلال کسی ایک مصدر شریعت کو بھی میسر نہیں اسلیے علامہ شوکانی کا یہ شبہ حجیت استحسان سے لے کر حجیت قرآن تک یکساں اثر رکھتا ہے۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ استحسان کی مستقل مصدری حیثیت کا انکار کرنے سے بھی اس کی حجیت کا انکار و ابطال لازم نہیں آتا۔

۴۔ شبہۂ انکار تسمیۂ استحسان

اکثر منکرین استحسان نے اس کی حقیقت وحجیت پر اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ اسے ایک الگ دلیل کے طور پر استحسان کا نام دینے کی مخالفت کی ہے۔

چنانچہ امام غزالیؒ علامہ کرخی کی تعریف بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

وھذا مما لا ینکر، وانما یرجع الاستنکار الی اللفظ وتخصیص ھذا النوع من الدلیل بتسمیۃ استحسانا من بین سائر الادلۃ۔[1]

یعنی استحسان کا یہ مفہوم تو درست اور بالاتفاق مقبول ہے البتہ اسے تمام دیگر ادلہ سے ممتاز کر کے استحسان کا نام دینا محل اعتراض ہے۔

بعینہٖ یہی بات علامہ شاطبی نے بھی کہی ہے:

اما الشرع فاستحسانہ واستقباحہ قد فرغ منھما لان الادلۃ اقتضت ذلک فلا فائدۃ لتسمیتہ استحسانا ولا لوضع ترجمہ زائدہ لہٗ علی الکتاب والسنۃ والاجماع وما ینشا عنھا من القیاس والاستدلال۔[2]

امام غزالی اور امام شاطبی حقیقت استحسان کے قائل ہیں لیکن اسے استحسان کے نام سے ایک الگ دلیل کے طور پر اختیار کرنے پر اعتراض کر رہے ہیں۔ لیکن یہ اعتراض اس طے شدہ

---

[1] الغزالی: المستصفیٰ: ج ۱، ص ۲۸۷

[2] الشاطبی: الاعتصام: ج ۲، ص ۳۱۶

ضابطہ کی رو سے درست قرار نہیں پاتا کہ: لا مشاحۃ فی الاصطلاح یعنی اصطلاح اختیار کرنے پر کوئی نزاع اور اختلاف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بیسیوں شافعی، مالکی اور حنفی علمائے اس اعتراض کا یہی جواب دیا ہے جو سراسر فطری اور نہایت معقول جواب ہے۔ کیونکہ اگر محض استحسان کا نام رکھنے پر اعتراض و انکار کو جائز رکھا جائے تو پھر شریعت بلکہ حیات و کائنات کی کسی بھی مادی یا معنوی چیز کا نام محل اعتراض بننے سے نہیں بچ سکتا اس لیے کہ دنیا میں کسی بھی مادی یا معنوی چیز کا نام اس کی تمام خصوصیات اور لوازمات کا پورا پورا احاطہ نہیں کر سکتا بلکہ عام طور پر صرف چند عمومی خصائص و لوازم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اشیاء کا نام تجویز کر دیا جاتا ہے۔

تاہم استحسان کے بارے میں حقیقت یہ ہے کہ اس کا نام یونہی بے وجہ اور بلا سبب نہیں بلکہ اس میں بہت سی حکمتیں پنہاں ہیں جو اس نام کا جواز مہیا کرتی ہیں۔

چنانچہ علامہ سرخسی نے اس سلسلہ میں تصریح کی ہے کہ:

فسموا ذلك استحسانا للتمييز بين هذا النوع من الدليل وبين الظاهر الذي تسبق اليه الافهام قبل التامل على معنى انه يمال بالحكم عن ذلك الظاهر لكونه مستحسنا لقوة دليله، وهو نظير عبارات اهل الصناعات في التمييز بين الطرق لمعرفة المراد..... فكذلك استعمال علمائنا عبارة القياس والاستحسان بين الدليلين المتعارضين، وتخصيص احدهما بالاستحسان لكون العمل به مستحسنا ولكونه مائلا عن سنن القياس الظاهر، فكان هذا الاسم مستعارا لوجود معنى الاسم فيه [1]

یعنی استحسان کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے تاکہ اس میں اور اس کے معارض قیاس ظاہر میں تمیز ہو سکے اور یہ تو اہل فنون و صناعات کا عام شیوہ ہے کہ دو چیزوں میں تمیز اور فہم مراد

---

[1] السرخسی: اصول السرخسی: ج ۲: ص ۲۰۰، ص ۲۰۱

کی خاطر مختلف نام تجویز کر دیا کرتے ہیں۔ اور استحسان کا یہ نام اپنے اندر دو معنوی حکمتیں رکھتا ہے۔ ایک تو یہ کہ قیاس ظاہر سے عدول اور میلان و انحراف کی بنیاد اس حکم راجح کا مستحسن اور پسندیدہ ہونا ہے اور دوسرے یہ کہ اس حکم استحسان پر عمل کرنا مآل اور نتائج کے اعتبار سے مستحسن ہے کیونکہ یہ حکم نہ صرف دلیل کی قوت اثر پر مبنی ہے بلکہ اعتبار مآل کے حوالے سے اس میں مقاصد شرعیہ اور مصالح انسانیہ کی تحقیق و تکمیل کی بہتر صلاحیت بھی پائی جاتی ہے۔

قاعدۂ استحسان کی فنی نوعیت اور حکم

اصول استحسان کی عمومی نوعیت اور شان

جامعیت پر ہم شروع میں گفتگو کر آئے ہیں یہاں خالص فنی لحاظ سے استحسان کی فقہی و اجتہادی نوعیت اور مصدری حیثیت اجاگر کرتے ہوئے اس کا حکم بیان کیا جائے گا۔

۱۔ فقہی نوعیت

اوپر ہم نے استحسان کا عام فقہی تصور اور اس دائرہ میں آنے والے احکام و تطبیقات بالاختصار بیان کیے تھے جن پر گہری نظر ڈالنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ فقہ میں استحسان دراصل قاعدۂ "حزم و احتیاط" کا دوسرا نام ہے کیونکہ استحسان پر مبنی ان تمام فقہی احکام و تطبیقات کے اندر زہد و ورع، اخلاص و دیانت اور حزم و احتیاط کی روح کارفرما ہے جس کے نمایاں مظاہر حسب ذیل ہیں:

۱۔ دائرہ استحسان میں آنے والے احکام خواہ آداب معاشرت اور احترام شعائر سے متعلق ہوں یا ملت کے منفرد اسلامی تشخص کے استقرار سے متعلق اور خواہ یہ احکام سنن و مستحبات کی پیروی سے متعلق ہوں یا مکروہات و مشتبہات سے اجتناب کے ضمن میں آتے ہوں، بہر آئینہ ان تمام انواع احکام کی بنیاد تقوی و تزکیہ اور اخلاق و احتیاط کے اصولوں پر استوار ہے۔ اور ان کی انجام دہی بایں طور درکار ہے کہ لفظ قانون کے تقاضوں کی تکمیل اور تحایل کی بجائے روح قانون اور مقاصد شریعت کی پیروی کرتے ہوئے وہ عمل اپنایا جائے جو حکم واقعی و نفس الامری کے مطابق انجام پائے اور مکلف کے نفس ناطقہ پر پائیدار نورانی اثرات مرتب کر کے تعمیر سیرت و تہذیب نفس کے عمل

میں ممد و معاون ثابت ہو۔ چنانچہ مذکورہ بالا تمام انواع کے استحسانی احکام قضاء ظاہری کے بجائے دیانت باطنی اور فرض قانونی کے بجائے احتیاط شرعی پر مبنی ہیں؛

ب - شروع میں بیان ہوا کہ مشروعیت استحسان کی ایک دینی اور عمرانی بنیاد نظریہ اعتبار مآل ہے جس کی رو سے تمام استحسانی احکام کی یہی "احتیاطی نوعیت" مزید واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کیونکہ قاعدۂ استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ مجتہد احکام فقہیہ کے استخراج اور ان کی قانونی حیثیت (وجوب و حرمت وغیرہ) کے تعین سے پہلے اس امر پر غور کرلے کہ آیا ان احکام کے نفاذ سے شارع کے مطلوبہ عمومی مقاصد پورے ہوں گے یا نہیں نیز یہ احکام مکلفین کے دینی و عمرانی مصالح کی تکمیل اور انہیں یسر و سہولت کی فراہمی میں کس حد تک مثبت کردار ادا کریں گے؟ ان امور پر غور کرنے کے بعد نتائج و آثار اور مقاصد و مآل کے حوالے سے مفید و بہتر احکام کا استنباط استحسان کہلاتا ہے اور یہی تو حزم و احتیاط اور تقوی و اخلاص کی معراج ہے کہ احکام کا استنباط ان کے مقاصد اور مآل کے تابع ہو۔

ج - اصل استحسان کی احتیاطی نوعیت کا ایک اور بنیادی رخ یہ ہے کہ بطور وسیلۂ استنباط اور منہج تطبیق احکام قاعدۂ استحسان، اجتہاد کی نظری و عملی ہر دو نوع کے جملہ وسائل وذرائع اور مصادر و مآخذ سے باعتبار عملی استعمال کے مقدم اور اولی ہے کیونکہ ایک مجتہد کے لیے قیاس و استدلال اور استصحاب و استصلاح کے ذریعہ احکام شرعیہ کے استنباط سے پہلے مقاصد شریعت کی تکمیل اور مصالح دینیہ و عمرانیہ کی تحصیل میں ان مصادر کے ذریعہ حاصل ہونے والے احکام کی تاثیر و نتیجہ خیزی پر غور کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر مسائل و حالات کی نوعیت ایسی ہو کہ مجرد قیاسی تجزیہ و استدلال یا کلی قواعد کے ذریعہ ان حالات سے مطابقت رکھنے والے احکام کا استنباط ممکن نہ ہو تو پھر ان مصادر اجتہاد کی جانب رجوع کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی بلکہ براہ راست مقاصد شریعت اور نوعیت حالات کی روشنی میں استحسان کے ذریعہ مناسب احکام اخذ کر کے نافذ کر دیئے جاتے ہیں۔ جو مقاصد شریعت کی تکمیل اور نوعیت حالات سے مطابقت

کی یقینی احتیاط و ضمانت پر مبنی ہوتے ہیں۔

اوپر بیان کردہ تینوں امور کی روشنی میں استحسان کی فقہی نوعیت حزم و احتیاط متعین ہوتی ہے۔ جو شریعت اسلامیہ کا ایک ایسا بنیادی اور عمومی خاصہ ہے کہ عقائد و عبادات سے لے کر معاملات، جنایات اور عادات تک ہر شعبہ سے متعلق احکام و ضوابط اسی حزم و احتیاط کے رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں، اس ضمن میں تفصیلی وضاحت ہم آئندہ کسی موقع پر اٹھا رکھتے ہیں۔

۲- اجتہادی نوعیت

استحسان ایک فقہی قاعدہ سے بڑھ کر اجتہاد نظری و عملی کا ایک بنیادی اور اہم تر وسیلہ ہونے کے علاوہ اسلامی قانون کا ایک اساسی اجتہادی مصدر بھی ہے۔ اور ان دونوں حیثیتوں میں اس کی فنی نوعیت دیگر وسائل اجتہاد اور مصادر قانون سے منفرد اور ممتاز ہے۔ بطور وسیلۂ اجتہاد عملی استحسان کی امتیازی نوعیت شروع میں بیان کی جا چکی ہے یہاں ہم بطور وسیلہ اجتہاد نظری اس کی خصوصی نوعیت کے چند پہلو اجاگر کرتے ہیں۔

۱- اجتہاد اپنے اسلوب اور نوعیت حجت کے لحاظ سے بنیادی طور پر دو قسم کا ہے۔ اجتہاد بیانی اور اجتہاد بالرأی۔ کتاب و سنت کے نصوص کی قواعد کے مطابق تعبیر و تشریح قواعد اصولیہ کے اکتشاف اور علل موضوصہ کی تنقیح و تعیین[1] کا نام اجتہاد بیانی ہے جب کہ غیر استنادی مصادر جیسے قیاس و استحسان اور استصلاح و استصحاب وغیرہ کے ذریعہ غیر منصوص مسائل کے احکام کا استنباط و استخراج اجتہاد بالرأی کہلاتا ہے[2]۔ یوں بظاہر استحسان خالصتاً اجتہاد بالرأی کی ایک نوع محسوس ہوتا ہے جیسا کہ عبدالوہاب خلاف نے تصریح کی ہے کہ:

الطریق الثانی من طرق الاجتہاد بالرأی الاستحسان۔[3]

یعنی اجتہاد بالرأی کے اسالیب میں سے دوسرا اسلوب اور طریق استحسان ہے۔

---

[1] الدوالیبی، محمد معروف: المدخل الی علم اصول الفقہ، ص ۴۰۴؛ نیز موسوعہ جمال عبدالناصر، ج ۲ ص ۹

[2] خلاف، عبدالوہاب: مصادر التشریع الاسلامی، ص ۷، ص ۸۔

[3] خلاف: مصادر التشریع الاسلامی، ص ۶۷۔

لیکن گہری نظر سے جائزہ لینے پر یہ حقیقت کھلتی ہے کہ استحسان ایک ایسا قاعدہ ہے جو اپنی وسعت اور جامعیت کے باعث اجتہاد کی مذکورہ دونوں اقسام سے یکساں تعلق رکھتا ہے چنانچہ اگر استحسان کی سند اور دلیل وحجت، نص یا اجماع قولی ہو تو وہ اجتہاد بیانی کے دائرے میں شمار ہوگا اور اگر اس کی سند یا دلیل قیاس خفی، مصلحت یا عرف وغیرہ ہو تو پھر یہ اجتہاد بالرائی کی نوع ٹھہرے گا کیونکہ پہلی صورت میں استحسان اپنی سند یعنی نص یا اجماع قولی کی تعبیر و تشریح اور توضیح وتبیین کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ دوسری صورت میں اس کی نوعیت رائے پر مبنی دلیل کی ترجیح ٹھہرتی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

ب۔ استحسان کی اجتہادی نوعیت کا دوسرا بنیادی پہلو یہ ہے کہ وہ کسی مسئلہ کے بارے میں دو متعارض دلیلوں میں سے ایک کی ترجیح و تنفیذ کا نام ہے۔ اور اس کی اساس امام ابوزہرہ کے الفاظ میں یہ ہے کہ:

ان یجئ الحکم مخالفا قاعدۃ مطردۃ لامر یجعل الخروج عن القاعدۃ اقرب الی الشرع من الاستمساک بالقاعدۃ فیکون الاعتماد علیہ اقوی استدلالا فی المسألۃ من القیاس۔ [1]

یعنی کسی قاعدہ کلیہ یا قیاس ظاہر کے مقابلے میں ایک ایسی دلیل آجائے جو اس قاعدہ کلیہ کی بہ نسبت، روح شریعت سے زیادہ قرب و مطابقت رکھتی ہو اور یوں اس مسئلہ میں قیاس کے بجائے دلیل معارض پر اعتماد قوی تر ٹھہرے خواہ یہ دلیل معارض نص و اجماع ہو یا قیاس و مصلحت اور عرف و ضرورت، بہر صورت اس کا روح شریعت سے ہم آہنگی اور مقتضیات عصر یہ سے مطابقت کی بناء پر، قوی تر ہونا ہی اساس استحسان ہے۔

امام شاطبی نے مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک استحسان کی ماہیت و نوعیت کے بارے میں علامہ ابن العربی کا یہ قول نقل کرتے ہوئے اس کی تائید و توثیق کی ہے کہ:

الاستحسان یرجع الی العمل باقوی الدلیلین، فالعموم اذا

---

[1] ابوزہرہ: اصول الفقہ، ص ۲۰۷، ص ۲۰۸۔

استمر والقياس اذا اطرد فان مالكا وابا حنيفة يريان تخصيص العموم باي دليل كان من ظاهر او معنى۔ [1]

یعنی استحسان دو دلیلوں میں سے قوی تر دلیل پر عمل کا نام ہے کہ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حکم عام اور حکم قیاسی کے استمرار کو کسی قوی تر ظاہری یا معنوی دلیل کی بناء پر چھوڑ دینا جائز ہے۔

ایک ازہری عالم سویلم لیس طہ نے تو استحسان کی اجتہادی نوعیت کو دو متعارض دلیلوں میں سے ایک کی ترجیح میں منحصر قرار دیتے ہوئے یہ تصریح کر دی ہے کہ:

والتحقيق ان كل ما اطلق عليه لفظ الاستحسان في كلام الائمة لا يخرج عن كونه ترجيحا للعمل باحد الدليلين المتعارضين لوجه مستحسن كتقديم الاقوى على القوى والاخذ بالايسر [2]

یعنی حقیقت یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کے کلام میں استحسان کا لفظ جہاں بھی استعمال ہوا اس کا معنی بجز اس کے کچھ معنی نہیں کہ دو متعارض دلیلوں میں سے ایک کو کسی مستحسن سبب کے باعث عمل کے لیے راجح قرار دیا جائے۔

ج۔ اگرچہ استحسان کی مذکورہ عمومی اجتہادی نوعیت جو "قوی تر دلیل پر عمل" سے تعبیر ہے، اجتہاد بیانی اور اجتہاد بالرائی دونوں کے ضمن میں آنے والی جملہ اقسام استحسان پر محیط ہے لیکن ان میں سے ہر نوع استحسان ایک خصوصی فنی نوعیت کی بھی حامل ہے جو صرف اسی نوع سے خاص ہے اور یوں تمام اقسام استحسان میں خصوصی اجتہادی نوعیت کے لحاظ سے باریک فرق و امتیاز پایا جاتا ہے جس کا اجمالی بیان حسب ذیل ہے۔

استحسان نصی استحسان نصی جو قیاس یا عمومی قاعدہ کے مقابلے میں سنت کے ذریعہ ثابت ہونے والے حکم کی ترجیح سے تعبیر ہے، اپنی خصوصی نوعیت کے لحاظ سے "بیان و تعبیر" کی حیثیت تک محدود ہے۔

---

[1] الشاطبی: الاعتصام: ج ۲ ص ۳۱۹؛ نیز الموافقات، ج ۴، ص ۲۰۹

[2] سویلم: مختصر صفوۃ البیان، ج ۱ ص ۷۷، نیز دیکھئے خلاف، مصادر التشریع الاسلامی فیما لا نص فیہ، ص ۷۲۔